جوابِ شکوہ

یعنی

وہ دلپذیر نظم

جو

ترجمانِ حقیقت ڈاکٹر محمد اقبال صاحب ایم اے پی ایچ ڈی

نے

زمیندار ترکش ریلیف فنڈ ٹرسٹ کے جلسہ منعقدہ ۳۰ نومبر ۱۹۱۲ء

میں

بمقام باغ موچی دروازہ لاہور پڑھی

مطبوعہ زمیندار سٹیم پریس لاہور

جوابِ شکوہ

یعنی

نظم جو جلسۂ امدادِ مجروحینِ بلقان
لاہور منعقدہ ۳۰۔ نومبر ۱۹۱۲ء میں پڑھی گئی

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں ۔ طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے
قدسی الاصل ہے رفعت پہ نظر رکھتی ہے
خاک سے اٹھتی ہے گردوں پہ گذر رکھتی ہے
اُڑ کے آوازہ مری تا بفلک جا پہنچی!
یعنی اِس گُل کی مہک عرش تلک جا پہنچی!

جب مئے دردسے ہو خلقتِ شاعر مدہوش
آنکھ جب خون کے اشکوں سے بنے لالہ فروش
کشورِ دل میں ہوں خاموش خیالوں کے خروش
چرخ سے سوئے زمیں شعر کو لاتا ہے سروش
قیدِ دستور سے بالا ہے مگر دل میرا!
فرش سے شعر ہوا عرش پہ نازل میرا!
پیرِ گردوں نے کہا سُن کے کہیں ہے کوئی
بولے سیّارے سرِ عرش بریں ہے کوئی
چاند کہتا تھا نہیں! اہلِ زمیں ہے کوئی
کہکشاں کہتی تھی پوشیدہ یہیں ہے کوئی
کچھ جو سمجھا مرے شکوے کو تو رضواں سمجھا
مجھ کو جنّت سے نکالا ہوا انساں سمجھا
تھی فرشتوں کو بھی حیرت کہ یہ آواز ہے کیا!

عرش والوں پہ بھی کھلتا نہیں یہ راز ہے کیا!
تا سرِ عرش بھی انساں کی تگ و تاز ہے کیا!
آ گئی خاک کی چٹکی کو بھی پرواز ہے کیا!
غافل آداب سے سکانِ زمیں کیسے ہیں!
شوخ و گستاخ یہ پستی کے مکیں کیسے ہیں!

اس قدر شوخ کہ اللہ سے بھی برہم ہے!
تھا جو مسجودِ ملائک یہ وہی آدم ہے!
عالمِ کیف ہے دانائے رموزِ کم ہے!
ہاں مگر عجز کے اسرار سے نامحرم ہے!
ناز ہے طاقتِ گفتار پہ انسانوں کو
بات کرنے کا سلیقہ نہیں نادانوں کو!

آئی آواز غم انگیز ہے افسانہ ترا!
مَے فریاد سے معمور ہے پیمانہ ترا!

ہے ہم آغوش فلک نعرۂ مستانہ ترا
کس قدر شوخ زباں ہے دلِ دیوانہ ترا
شکر شکوے کو کیا حسنِ ادا سے تو نے
ہم سخن کر دیا بندوں کو خدا سے تو نے

ہم تو مائل بکرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے رہروِ منزل ہی نہیں
تربیت عام تو ہے جوہرِ قابل ہی نہیں
جس سے تعمیر ہو آدم کی یہ وہ گِل ہی نہیں
کوئی قابل ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں
ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

جس طرح احمدِ مختار ہے نبیوں میں امام!
اُس کی اُمّت بھی ہے دُنیا میں امامِ اقوام!
کیا تمھارا بھی نبی ہے وُہی آقائے انام؟

تم مسلمان ہو؟ تمہارا ابھی وُہی ہے اسلام؟
اُس کی اُمت کی علامت تو کوئی تم میں نہیں
مے جو اسلام کی ہوتی ہے وُہ اس خم میں نہیں
ہاتھ بے زور ہیں الحاد سے دل خوگر ہیں!
اُمتی باعث رُسوائی پیغمبر ہیں!
بُت شکن اُٹھ گئے باقی جو رہے بُت گر ہیں!
تھا براھیم پدر اور پسر آذر ہیں!
کہیں تہذیب کی پُوجا کہیں تعلیم کی ہے
قوم دُنیا میں یہی احمدِ بے میم کی ہے!
کشورِ ھند میں کلیہ ناکام کا بُت
عربستان میں شفا خانہ اسلام کا بُت
اور لندن میں عبادت کدہ عام کا بُت
لیگ والوں نے تراشا ہے بڑے نام کا بُت

بادہ آشام نئے بادہ نیا خُم بھی نئے
یعنی کعبہ بھی نیا بُت بھی نئے تم بھی نئے

وُہ بھی دِن تھے کہ یہی مایۂ رعنائی تھا!
نازشِ موسمِ گل لالۂ صحرائی تھا!
جو مُسلمان تھا اللہ کا سودائی تھا!
کبھی محبُوب تمھارا یہی ہرجائی تھا!
کسی یکجائی سے اب عہدِ غلامی کرلو!
ملّتِ احمدِ مُرسل کو مقامی کرلو!

کِس قدر تم پہ گراں صبح کی بیداری ہے
ہم سے کب پیار ہے ہاں نیند تمہیں پیاری ہے
طبعِ آزاد پہ قیدِ رمضاں بھاری ہے
تمہیں کہدو یہی آئینِ وفاداری ہے!
قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں

جذب باہم جو نہیں محفل انجم بھی نہیں

جن کو آتا نہیں دُنیا میں کوئی فن تُم ہو!
نہیں جس قوم کو پروائے نشیمن تُم ہو!
بجلیاں جس میں ہوں آسودہ وُہ خرمن تُم ہو!
بیچ کھاتے ہیں جو اسلاف کے مدفن تُم ہو!

ہو نکو نام جو قبروں کی تجارت کرکے
کیا نہ بیچوگے جو مِل جائیں صنم پتھر کے؟

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا کِس نے؟
نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑایا کس نے؟
میرے کعبے کو جبینوں سی بسایا کس نے؟
میرے قرآن کو سینوں سی لگایا کس نے؟

تھے تو آبا وُہ تمہارے ہی مگر تم کیا ہو؟
ہاتھ پر ہاتھ رکھے منتظرِ فردا ہو!

کیا کہا؟ بہرِ مسلمان ہے فقط وعدۂ حور
شکوہ بیجا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور!
عدل ہے فاطرِ ہستی کا ازل سے دستور
مسلم آئین ہُوا کافر تو ملے حور و قصور

تم میں حوروں کا کوئی چاہنے والا ہی نہیں
جلوۂ طور تو موجود ہے موسیٰ ہی نہیں

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی۔ دین بھی ایمان بھی ایک
حرمِ پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

فرقہ بندی ہی کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

کون ہے تارکِ آئینِ رسولِ مختار؟

مصلحتِ وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار؟
کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعارِ اغیار؟
ہوگئی کس کی نگہ طرزِ سلف سے بیزار؟
قلب میں سوز نہیں رُوح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغامِ محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں!

جا کے ہوتے ہیں مساجد میں صف آرا تو غریب
زحمتِ روزہ جو کرتے ہیں گوارا تو غریب
نام لیتا ہے اگر کوئی ہمارا تو غریب
پردہ رکھتا ہے اگر کوئی تمھارا تو غریب
اُمرا نشۂ دَولت میں ہیں غافل ہم سے
زِندہ ہے مِلّتِ بَیضا غُرَبا کے دم سے

واعظِ قوم کی وُہ پُختہ خیالی نہ رہی!
برقِ طبعی نہ رہی شعلہ مقالی نہ رہی!

رہ گئی رسمِ اذاں رُوحِ بلالی - نہ رہی!
فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی - نہ رہی!
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وُہ صاحبِ اوصافِ حجازی نہ رہے
شور ہے ہو گئے دُنیا سے مُسلماں نابُود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مُسلِم موجُود!
وضع میں تم ہو نصارٰی تو تمدّن میں ہنُود
یہ مُسلماں ہیں! جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہُود!
یُوں تو سیّد بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو
تُم سبھی کچھ ہو! بتاؤ تو مُسلمان بھی ہو؟
دمِ تقریر تھی مُسلِم کی صداقت بے باک
عدل اُس کا تھا قوی لَوثِ مراعات سے پاک
شجرِ فطرتِ مُسلِم تھا حیا سے نم ناک

تھا شجاعت میں وہ اک ہستیٔ فوق الادراک

"خود گدازی نمِ کیفیتِ صہبایش بود

خالی از خویش شدن صورتِ مینایش بود"

ہر مسلماں رگِ باطل کے لئے نشتر تھا

اس کے آئینۂ ہستی میں عمل جوہر تھا

جو بھروسا تھا اُسے قوتِ بازو پر تھا

ہے تمہیں موت کا ڈر اس کو خدا کا ڈر تھا

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو

پھر پسر قابلِ میراثِ پدر کیونکر ہو

ہر کوئی مستِ مئے ذوقِ تن آسانی ہے

تم مسلماں ہو؟ یہ اندازِ مسلمانی ہے!

حیدری فقر ہے نے دولتِ عثمانی ہے

تم کو اسلاف سے کیا نسبتِ روحانی ہے؟

وہ زمانے میں معزّز تھے مسلماں ہوکر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر

تم ہو آپس میں غضبناک وہ آپس میں رحیم
تم خطاکار و خطابیں وہ خطاپوش و کریم
چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوجِ ثریّا پہ مقیم
پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلبِ سلیم
تختِ فغفور بھی اُن کا تھا سریرِ کَے بھی
یوں ہی باتیں ہیں کہ تم میں وہ حمیّت ہے بھی؟

خودکشی شیوہ تمھارا وہ غیور و خوددار!
تم اخوّت سے گریزاں وہ اخوّت پہ نثار
تم ہو گفتار سراپا وہ سراپا کردار
تم ترستے ہو کلی کو وہ گلستاں بکنار
اب تلک یاد ہے قوموں کو حکایت اُنکی

نقش ہے صفحۂ ہستی پہ صداقت انکی

علم حاضر بھی پڑھا زائرِ لندن بھی ہوئے
مثلِ انجمِ اُفقِ قوم پہ روشن بھی ہوئے
بے عمل تھے ہی جوان دین سے بدظن بھی ہوئے
صفتِ طائرِ گم کردہ نشیمن بھی ہوئے
حال اُن کا مے نو اور زبون کرتی ہے
شبِ مہ سائے کی ظلمت کو فزون کرتی ہے

قیس زحمت کشِ تنہائیِ صحرا نہ رہے
شہر کی کھائی ہوا بادیہ پیما نہ رہے
وہ تو دیوانہ ہے بستی میں رہے یا نہ رہے
یہ ضروری ہے حجابِ رُخِ لیلا نہ رہے
شوقِ تحریر مضامین میں کھلی جاتی ہے
بیٹھکر پردے میں بے پردہ ہوئی جاتی ہے

عہدِ نو برق ہے آتش زنِ ہر خرمن ہے
ایمن اِس سے کوئی صحرا نہ کوئی گلشن ہے
اِس نئی آگ کا اقوامِ کہن ایندھن ہے
ملتِ ختمِ رُسُل شعلہ بہ پیراہن ہے

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

دیکھ کر رنگِ چمن ہو نہ پریشاں مالی!
کوکبِ غنچہ سے شاخیں ہیں چمکنے والی!
یعنی ہونے کو ہے کانٹوں سے بیاباں خالی
گل بر انداز ہے خُونِ شہدا کی لالی

پیرہن کیوں فلکِ پیر کا عنابی ہے؟
یہ نکلتے ہوئے سورج کی اُفق تابی ہے!

اُمتیں گلشنِ ہستی میں ثمر چیدہ بھی ہیں

اور محروم ثمر بھی ہین خزان دیدہ بھی ہین
سینکڑون نخل ہین کاہیدہ بھی بالیدہ بھی ہین
سینکڑون بطن چمن مین ابھی پوشیدہ بھی ہین
نخل اسلام نمونہ ہے برومندی کا
پھل ہے یہ سینکڑون صدیون کی چمن بندی کا

پاک ہے گرد وطن سے سر دامان تیرا
تو وہ یوسف ہے کہ ہر مصر ہے کنعان تیرا
قافلہ ہو نہ سکے گا کبھی ویران تیرا
غیر یک بانگ درا کچھ نہین سامان تیرا
"نخل شمع استی و در شعلہ دُود ریشۂ تو
عاقبت سوز بود سایۂ اندیشۂ تو"

تو نہ مٹ جائے گا ایران کے مٹ جانے سے
نشۂ مے کو تعلق نہین پیمانے سے

ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

کشتیٔ حق کا زمانے میں سہارا تُو ہے
عصرِ نَو رات ہے دُھندلا سا ستارا تُو ہے

ہے جو ہنگامہ بپا یورشِ بلغاری کا
غافلوں کے لئے پیغام ہے بیداری کا
تو سمجھتا ہے یہ ساماں ہے دل آزاری کا
امتحاں ہے ترے ایثار کا خودداری کا

کیوں ہراساں ہے صہیلِ فرسِ اعدا سے
نُورِ حق بجھ نہ سکے گا نفَسِ اعدا سے

چشمِ اقوام سے مخفی ہے حقیقت تیری
ہے ابھی محفلِ ہستی کو ضرورت تیری
زندہ رکھتی ہے زمانے کو حرارت تیری

کوکبِ قسمتِ امکان ہے خلافت تیری

ختم کاہے کو ہوا کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے
ہو نہ افسردہ اگر حل گئی تعمیر تری
رازِ توحید! حکومت نہین تفسیر تری
تو وہ سرباز ہے اسلام ہے شمشیر تری
نظمِ ہستی مین ہے کچھ اور ہی تقدیر تری

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہین
یہ جہان چیز ہے کیا! لوح و قلم تیرے ہین

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمنِ دہر مین کلیون کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو
بزمِ توحید بھی دنیا مین نہ ہو تم بھی نہ ہو

خیمۂ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے
وسعتِ کون و مکاں ساز ہے مضراب ہے یہ
دہر مسجد ہے سراپا خمِ محراب ہے یہ
جامِ گردوں میں عیاں مثلِ مئے ناب ہے یہ
روحِ خورشید ہے خونِ رگِ مہتاب ہے یہ
صوت ہے نغمۂ کن میں تو اسی نام سے ہے
زندگی زندہ اسی نور کے اتمام سے ہے
دشت میں دامنِ کہسار میں میدان میں ہے
بحر میں موج کی آغوش میں طوفان میں ہے
چین کے شہر مراقش کے بیابان میں ہے
اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے
چشمِ اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے

رفعتِ شان رَفَعنَا لَكَ ذِکرَکَ دیکھے

مردمِ چشمِ زمین یعنی وُہ کالی دُنیا!
وُہ تمہارے شہدا، پالنے والی دُنیا!
گرمیٔ مہر کی پروردہ ہلالی دُنیا!
عشق والے جسے کہتے ہیں بلالی دُنیا!

تپش اندوز ہے اس نام سے پارے کی طرح
غوطہ زن نور میں ہے آنکھ کے تارے کی طرح

انجم اس کے فلک اس کے ہیں زمین اس کی ہے
کیا یہ اغیار کی دُنیا ہے؟ نہیں اس کی ہے
سجدے مسجود ہوں جس کے وُہ جبین اس کی ہے
وُہ ہمارا ہے امین قوم امین اس کی ہے

طوف احمد کے امینوں کا فلک کرتے ہیں
یہ وُہ بندے ہیں ادب جنکا ملک کرتے ہیں۔

مثلِ بُو قید ہے غنچے میں، پریشان ہوجا
رخت بر دوشِ ہوائے چمنستان ہوجا
شوقِ وسعت ہی تو ذرّے سے بیابان ہوجا
نغمۂ موج سے ہنگامۂ طوفان ہوجا

بول اس نام کا ہر قوم میں بالا کر دے
اور دُنیا کے اندھیرے میں اُجالا کر دے

رقمہ مرغوب رقم مالک منیجر مرغوب ایجنسی لاہور
کوچۂ ڈوگران